کتابوں کی درس گاہ میں

دوران مطالعہ نظر سے گذرنے والے دلچسپ واقعات ولطائف کا انتخاب

مدیر کے قلم سے

ہم نے کانٹوں میں بھی گلزار کھلا رکھا ہے

عبداللہ بن محمد جہادی مہم کے سلسلے میں، مصر کے ایک ساحلی علاقے میں مقیم تھا، ٹہلتا ہوا ایک بار ساحل سمندر نکلا، وہاں دیکھا کہ خیمہ میں ہاتھ پاؤں سے معذور اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ایک شخص پڑا ہوا ہے، اس کے جسم میں صرف اس کی زبان سلامت ہے، ایک طرف اس کی یہ حالت ہے اور دوسری طرف وہ بآواز بلند کہہ رہا ہے: "میرے رب! مجھے اپنی نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا فرما، مجھے تو نے اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر فضیلت اور فوقیت بخشی ہے، اس فوقیت پر مجھے اپنی حمد وثناء کی توفیق عطا فرما" عبداللہ نے یہ دعا سنی تو اسے بڑی حیرت ہوئی، ایک آدمی ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، بینائی سے محروم ہے، جسم میں زندگی کی تازگی کا کوئی اثر نہیں اور وہ اللہ سے نعمتوں پر شکر کی دعا مانگ رہا ہے، اس کے پاس آکر سلام کیا اور پوچھا: "حضرت! آپ اللہ تعالیٰ کی کس نعمت اور فوقیت پر شکر اور حمد وثناء کی توفیق کے لیے خواستگار ہیں" اس نے جواب میں فرمایا اور خوب فرمایا "آپ کو کیا معلوم کہ میرے رب کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہے، خدا اگر وہ آسمان سے آگ برسا کر مجھے راکھ کردے، پہاڑوں کو حکم دے کر مجھے کچل دے، سمندروں کو مجھے غرق کرنے کے لیے کہدے اور زمین کو مجھے نگلنے کا حکم دے تو میں کیا کرسکتا ہوں، میرے ناتواں جسم میں زبان کی بے بہا نعمت کو تو دیکھئے کہ یہ سالم ہے، کیا صرف اس ایک زبان کی نعمت کا میں زندگی بھر شکر ادا کرسکتا ہوں"؟ پھر فرمانے لگے "میرا ایک چھوٹا بیٹا میری خدمت کرتا ہے، خود میں معذور ہوں، زندگی کی ضروریات اسی کے سہارے پوری ہوتی ہیں لیکن وہ تین دن سے غائب ہے معلوم نہیں کہ کہاں ہے آپ اس کا پتہ کرلیں تو مہربانی ہوگی" ایسے صابر وشاکر اور محتاج انسان کی خدمت سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے، عبداللہ نے بیابان میں اس کی تلاش شروع کی تو یہ دردناک منظر دیکھا کہ مٹی کے دو تودوں کے درمیان ایک لڑکے کی لاش پڑی ہوئی ہے جسے جگہ جگہ سے درندوں اور پرندوں نے نوچ رکھا ہے، یہ اسی معذور شخص کے بیٹے کی لاش تھی، اس معصوم کی لاش اس طرح بے گور وکفن دیکھ کر عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس کے معذور والد کو اس المناک حادثہ کی اطلاع کیسے دوں؟ ان کے پاس گئے اور ایک لمبی تمہید کے بعد انھیں اطلاع کردی، بیٹے کی وحشتناک موت سے کون ہوگا جس کا جگر پارہ پارہ نہ ہو لیکن ؎

جائز نہیں اندیشۂ جان، عشق میں اے دل! ہشیار! کہ یہ مسلکِ تسلیم ورضا ہے

خبر سن کر معذور والد کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے، دل پر غموں کے بادل چھا جائے تو آنکھوں سے اشکوں کی برسات شروع ہو جاتی ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے کہ غم کا غبار اشکوں میں ڈھل کر نکل جاتا ہے، شکوہ وشکایت کی بجائے فرمانے لگے: "حمد وستائش اس ذات کے لیے ہے جس نے میری اولاد کو اپنا نافرمان نہیں پیدا کیا اور اسے جہنم کا ایندھن بننے سے بچایا" پھر "اناللہ........" پڑھا اور ایک چیخ

کے ساتھ سعید روح نے قفس عنصری سے یہ ہوئی آزادی حاصل کرلی کہ ۔

اب اے خیال یار نہیں تاب ضبط کی بس اے فروغِ برق تجلی کہ جل گئے
اب کیا ستائیں گی ہمیں دوران کی گردشیں ہم اب حدود سودوزیان سے نکل گئے

ان کی اس طرح اچانک موت پر عبداللہ کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، کچھ لوگ اس طرف نکلے، رونے کی آواز سنی، خیمے میں داخل ہوئے، میت کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو اس سے لپٹ گئے، کوئی ہاتھ چومتا، کوئی آنکھوں کو بوسا دیتا، ساتھ ساتھ کہے جاتے : ”ہم قربان ان آنکھوں پر جنہوں نے کبھی کسی غیر محرم کو نہیں دیکھا، ہم فدا اس جسم پر جو لوگوں کے آرام کے وقت بھی اپنے مالک کے سامنے سجدہ ریز رہتا، جس نے اپنے رب کی کبھی نافرمانی نہیں کی......“ عبداللہ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، پوچھا ”یہ کون ہیں، ان کا کیا تعارف ہے“ کہنے لگے ”آپ ان کو نہیں جانتے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مشہور محدث حضرت ابو قلابہ ہیں“ حدیث کا ادنی طالب علم بھی حضرت ابو قلابہ کے نام سے واقف ہے، صبر واستقامت کے پیکر اور تسلیم ورضا کے بلند مقام کے حامل حضرت ابو قلابہ کی تجہیز وتکفین اور نماز وتدفین سے فارغ ہونے کے بعد عبداللہ رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ آپ جنت کے باغات میں سیر وتفریح کر رہے ہیں، جنت کا لباس زیب تن ہے اور یہ آیت تلاوت فرمارہے ہیں سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (صبر کرنے کے سبب تم پر سلامتی ہو اور آخرت کا گھر بہترین ٹھکانہ ہے) عبداللہ نے پوچھا ”آپ وہی معذور شخص ہیں“ فرمانے لگے :

”جی ہاں میں وہی شخص ہوں، اللہ جل شانہ کے ہاں چند بلند مراتب اور درجات ایسے ہیں جن تک رسائی مصیبت میں صبر، راحت میں شکر اور جلوت وخلوت میں خوف خدا کے بغیر ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی صبر وشکر کی بدولت مجھے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے“

(کتاب الثقات لأبی حاتم ابن حبان، ج : ۵، ص : ۳۔)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کی گنتی نہیں کی جاسکتی، زندگی کی جس جہت میں دیکھئے، نعمتوں کے گلستان کے گلستان لہلہا رہے ہیں، انسانی زندگی اگرچہ غم اور حسرت کی دھوپ چھاؤں سے عبارت ہے لیکن درحقیقت وجودِ غم بھی احساسِ مسرت کے لیے ہے، الم کی چاشنی سے زندگی میں حسن بھی آتا ہے، اہل اللہ اور اہل وفا کو غم میں بھی راحت حاصل ہوتی ہے جبکہ اہل ہوس کی ساری زندگی راحت کے غم میں ختم ہو جاتی ہے، ناشکروں کا المیہ یہ ہے کہ ان کی نظر ہمیشہ زندگی کی تلخیوں پر رہتی ہے، زندگی کی ہزار نعمتوں اور رحمتوں کی چھاؤں میں انھیں کچھ تلخیوں کی تپش محسوس ہو تو اسی کا رونا رونے لگتے ہیں، ایسے لوگ زندگی کی حقیقی خوشیوں سے محروم رہتے ہیں، وہ ہر سو برسی ہوئی نعمتوں کی بہار میں بھی یہ کہتے ہیں کہ ۔

تمام غنچہ وگل داغِ دل بنے کیفی خزاں نصیب بہاروں سے کیا لیا میں نے

لیکن ایک حقیقی مردِ مؤمن کی شان اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے، اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ مصائب راہِ منزل میں آتے اور حوادث راستے میں دام پھیلاتے ہی ہیں لیکن اس کی بنا پر نعمتوں سے اس کی نظر اوجھل نہیں رہتی، ہزار راحتوں کے جلو میں چند ایک تکالیف کی چبھن کی وجہ سے وہ صبر وشکر اور تسلیم ورضا کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، غمِ حیات میں اس کا دستور یہی ہوتا ہے کہ ۔

دل کا ہر داغ تبسم میں چھپا رکھا ہے ہم نے ہر غم کو غم یار بنا رکھا ہے
نوک ہر خار سے پوچھو وہ گواہی دیں گے ہم نے کانٹوں میں بھی گلزار کھلا رکھا ہے
خود میرے دل نے تراشے ہیں غموں کے پیکر میرے مولانے تو ہر غم سے بچا رکھا ہے

کھلا در

احمد بن ابی غالب چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں، لوگ ان کے پاس دعا کے لیے عموماً حاضر ہوتے تھے، ایک مرتبہ کوئی صاحب ان کی خدمت میں آیا اور کسی چیز کے متعلق کہا کہ "آپ فلاں صاحب سے میرے لیے وہ چیز مانگ لیجئے" احمد فرمانے لگے "میرے بھائی! میرے ساتھ کھڑے ہو جایئے، دونوں دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ ہی سے کیوں نہ مانگ لیں، کھلا در چھوڑ کر بند دروازہ کا رخ کیوں کیا جائے"

(ذیل طبقات الحنابلة ج:١ ص:٢٢٤)

یقیناً اللہ کا در ہر وقت کھلا ہے، یہ یقین اور ایمان کی کمزوری ہوتی ہے کہ اسے چھوڑ کر مخلوق کے بند دروازوں پر کھڑے ہو کر ذلت اٹھائی جائے، اس کھلے در کی طرف رجوع کی عادت تو ڈالیے، آزما کر تو دیکھئے۔

جو اس در کا بھکاری ہے وہ قسمت کا سکندر رہے

ایک آدمی کسی امیر کے پاس اپنی ضرورت کے سلسلے میں آیا، دیکھا کہ وہ امیر سجدہ میں پڑا اللہ سے مانگ رہا ہے، کہنے لگا "یہ خود دوسرے کا محتاج ہے، پھر میں اس کا محتاج کیوں بنوں؟ میں اپنی حاجت اس ذات کے سامنے کیوں پیش نہ کردوں جہاں مصلحتاً دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں" امیر نے اس شخص کی یہ بات سن لی، اسے بلا کر دس ہزار کی خطیر رقم دی اور کہا "یہ رقم تجھے اسی ذات نے دی ہے جس سے میں سجدے کی حالت میں مانگ رہا تھا اور جس کی طرف تو نے رجوع کیا" (اللقط فی حکایات الصالحین لابن الجوزی، الحکایة:٥٠٧)

مرد دانا پر کلام نرم و نازک کا اثر

سفیان بن حسین نامی ایک شخص قاضی ایاس بن معاویہ کی مجلس میں بیٹھ کر کسی آدمی کی غیبت کرنے لگا قاضی نے اس سے کہا "آپ نے رومیوں کے ساتھ جہاد کیا" کہنے لگا "نہیں" پوچھا "سندھ اور ہند کے جہاد میں شریک ہوئے ہو" کہا "نہیں" فرمانے لگے "روم، سندھ اور ہند کے کفار تو آپ سے محفوظ رہے لیکن بے چارہ اپنا ایک مسلمان بھائی آپ سے نہ بچ سکا اور زبان کی تلوار اس پر چلا دی" سفیان پر ان کے اس جملے کا اس قدر اثر ہوا کہ زندگی بھر پھر کسی کی غیبت نہیں کی۔ (البدایة والنھایة: ج٩، ص ٣٣٦، ترجمہ ایاس)

غیبت سے بچاؤ کا نسخہ

امام ابن وہب دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث اور فقیہ ہیں، فرماتے ہیں، میں نے غیبت سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس دن کسی کی غیبت کر دیتا، اگلے دن نفس کو سزا دینے کے لیے روزہ رکھ لیتا، لیکن بات بنی نہیں، روزہ رکھنا عادت سی بن گئی اور سزا کی تلخی کی بجائے اس میں لطف محسوس ہونے لگا، ظاہر ہے جو چیز پر لطف ہو، وہ سزا کیسے ہو سکتی ہے، اس لیے میں نے روزہ کی بجائے ہر غیبت کے عوض ایک درہم صدقہ کرنا شروع کیا، یہ سزا نفس کو شاق معلوم ہوئی اور یوں غیبت کے روگ سے نجات ملی۔

(ترتیب المدارك للقاضی عیاض: ج٣، ص: ٢٤٠)

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

عبد الرحمٰن بن ابی نعم بجلی جلیل القدر تابعین میں سے ہیں، زہد و عبادت میں بڑے مشہور تھے، ان کی خدا خوفی اور فکر آخرت کا یہ عالم

تھا کہ بحیر بن عامر کے بقول "اگر ان سے کہا جائے کہ موت کا فرشتہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہے" تو اس خبر سے ان کی حالت میں ذرہ بھی فرق نہیں آئے گا، ایک دن وعظ و نصیحت کی غرض سے وہ حجاج بن یوسف کے پاس گئے، حجاج کے ظلم سے کون ناواقف ہو گا، نصیحت فرمائی اور ظلم کے انجام کی طرف توجہ دلائی تو حجاج نے اس کا نقد صلہ دیا، حکم دیا کہ "اسے تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دو" اس حالت میں پندرہ دن گذر گئے جہاں نہ کھانا، نہ پینا، نہ روشنی اور نہ زندگی کا کوئی سامان، حجاج نے کہا "اب اس کی لاش نکال کر دفن کر دو" چنانچہ ان کی لاش نکالنے کے لیے حجاج کے کارندوں نے جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہیں کہ ؎

یہ نغمہ فصل گل ولالہ کا نہیں پابند بہار ہو کہ خزان لا الہ الا اللہ

حجاج کو ان کی یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھیں آزاد کر دیا۔ (تهذيب التهذيب: جلد ٦ ص: ٢٨٦)

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

بُنان حمال چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں میں سے ہیں، اصل بغداد کے تھے، لیکن مصر میں رہنے لگے تھے عوام و خواص دونوں میں ان کی بڑی مقبولیت تھی، اللہ والوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے، وہ دل کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں، حمال نے بادشاہ مصر ابن طولون کو ایک مرتبہ نصیحت فرمائی، ابن طولون تاب سخن نہ لا سکا اور ناراض ہو کر اس نے حکم دیا کہ انھیں خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا جائے، انسان اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے سزا کے بھی عجیب طریقے ایجاد کرتا ہے، سزا کا جو طریقہ جس قدر سخت ہوگا، اس کے جذبۂ انتقام کو اسی قدر ٹھنڈک پہنچے گی، بنان حمال کو خونخوار شیر کے سامنے ڈال دیا گیا، شیر لپکا، پھر رک کر ان کے جسم کو سونگھنے لگا، دیکھنے والے ان کے جسم کے چیر پھاڑنے کا نظارہ کرنا چاہتے تھے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جب دیکھا کہ شیر انھیں کچھ نہیں کہہ رہا، تب انھیں اس کے سامنے سے اٹھا دیا، اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوئی کہ جب ان سے پوچھا گیا "شیر کے سونگھتے وقت آپ کے دل پر کیا گذر رہی تھی؟" فرمانے لگے "میں اس وقت درندے کے جوٹے کے متعلق علماء کے اختلاف کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کا جوٹا پاک ہے یا ناپاک"

(حلية الأولياء: ج: ١٠ ص: ٣٢٤)

موت آدمی کے سامنے ہو اور وہ بھی اس ہیبت ناک منظر کے ساتھ لیکن ذہن فقہ کے ایک اختلافی مسئلہ میں مگن رہے، ایسے اعلام اور یگانہ روزگار، شخصیات سے انسان کیا، درندے کیوں محبت نہیں کریں گے، یقیناً اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی، جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ!

ایک قلم کے لیے......

حضرت عبداللہ بن مبارک کے نام سے کون ناواقف ہوگا، اپنے دور میں امام المسلمین تھے، ان کے زہد و تقوی اور دعوت جہاد کے ولولہ انگیز اور ایمان افروز واقعات پڑھ کر آج بھی آدمی کے ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی اور جذبات میں زندگی کی موجیں مچلنے لگتی ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے شام میں کسی سے قلم مستعار لیا، واپس کرنا بھول گئے اور ایران کے شہر مرو آئے تو وہ قلم یاد آیا، وہاں سے دوبارہ شام کا سفر کیا اور جا کر قلم اس کے مالک کو لوٹایا۔

(تاریخ بغداد، ج: ۱۰، ص: ۱۶۷)

حکومت کا ایک خوشنما لیکن ناکام منصوبے کا ارادہ!

مولانا عبدالرزاق زاہد صاحب

۷ اکتوبر ۲۰۰۰ء مطابق ۸ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ کو جامعہ فاروقیہ کراچی کی مجلس الفقہ الاسلامی کے زیر اہتمام ریجنٹ پلازہ میں سودی نظام کے خاتمہ کے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلہ کے سلسلے میں جائزہ سیمینار منعقد ہوا۔ جس میں گورنر سندھ جناب محمد میاں سومرو صاحب، ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب وفاقی وزیر برائے مذہبی امور، مولانا ولی رازی صاحب صوبائی وزیر برائے مذہبی امور، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب اور شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب اور دیگر علماء ودانشور اور بینکار شریک ہوئے۔ وفاقی وزیر نے مسئلہ سود پر بڑا فاضلانہ خطاب کیا، تاہم آخر میں دینی مدارس کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا کہ وزارت مذہبی امور نے ماڈرن دینی مدارس وجامعات بنانے کی تجویز پیش کی ہے۔ اور اس پر عنقریب عمل درآمد ہوگا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے صدارتی خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سود کی حرمت پر دلنشین اور دل عزیز تقریر کی اور فرمایا کہ واقعی سپریم کورٹ کا اس سلسلے کا فیصلہ انتہائی اہم ہے تاہم اس قسم کے فیصلوں کے عمل درآمد پر ہماری حکومتیں ٹال مٹول سے کام لیتی ہیں اور مہلت پر مہلت مانگتی ہیں، مختلف تاخیری حربے استعمال کرتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ برصغیر سے فرنگی نے رخصت ہوتے ہوئے حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دی جو شکل وصورت کے اعتبار سے تو ہندوستانی تھے لیکن ذہناً وہ انگریز تھے، یہ سکول اور کالج کی پیداوار تھے جو حضرات تحریک پاکستان دیکھ چکے ہیں وہ گواہی دیں گے کہ مسٹر محمد علی جناح کے گلے میں قرآن حمائل ہوتا تھا اور ایک موقع پر انہوں نے فرمایا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا، میں جواب میں کہتا ہوں "قرآن" لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوسکا، دو نظامہائے تعلیم اور دو مختلف نظریات کے حامل لوگ تیار ہوتے رہے اگر دینی مدارس سے تیار ہونے والا مولوی لوگوں کے عقائد ونظریات کے تحفظ کا ذمہ اٹھاتا تو اس کے مقابلے میں سکول اور کالج سے فارغ ہونے والا اس کے متضاد عقائد ونظریات کا پرچار کرتا، ان دونوں طبقوں میں یہ سرد جنگ جاری رہی ہے، ہمارے اکابر نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی الحمدللہ یہاں جتنے علمائے حقانی موجود ہیں یہ سب اسی دارالعلوم کے فیض یافتگان ہیں، ہمارے ہاں ان مدارس کو ختم کرنے یا بے اثر کرنے کی مستقل کوششیں جاری رہی ہیں، ایوب خان کی حکومت سے لے کر آج کی حکومت تک یہ لوگ ان مدارس کو بے اثر کرنے کے سلسلے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، لیکن یہ یاد رکھنا کہ دین اسلام کے یہ قلعے ہمیشہ اور ہمیشہ کے لیے چمکتے رہیں گے۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں ایک وفد قاہرہ بھیجا کہ ہمارے مولوی ہر معاملے میں دیوار بن کر رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اس کا علاج کیا ہے؟ قاہرہ والوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس مولوی کو سرکاری نوکری دو، یہ خاموش ہوجائے گا لیکن مرحوم کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور اس کے بعد جتنے بھی حکمران آئے ہر ایک نے ان دینی قلعوں کے خاتمے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن ناکامی ہی ان کا مقدر بنی، موجودہ حکومت ماڈرن دینی مدارس وجامعات قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایک نیا حربہ ہے کہ لوگ وفاق المدارس سے الحاق ختم کرکے اس ماڈرن یونیورسٹی سے الحاق کردیں گے اور اس طرح سرکاری مولوی تیار کرکے حکومت اپنے منصوبے میں کامیاب ہوجائے گی لیکن وفاق المدارس العربیہ کے صدر کی حیثیت سے میں یہ گذارش کروں گا کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ کسی حکومت سے کوئی خیر متوقع نہیں، حکومت اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں کی خبر لے جن پر وہ خطیر رقم خرچ کرتی ہے وہاں آئے دن طلبہ آپس میں گھتم گھتا ہوتے ہیں، رینجر اور کبھی فوج بیٹھ کر وہاں کے حالات کو کنٹرول کرتے ہیں اور وہاں سے فارغ ہونے والے بے روزگار اور پریشاں حال گھومتے ہیں دینی مدارس نے امن امان کا مسئلہ کبھی نہیں پیدا کیا میرا تیس سالہ تجربہ ہے اور میری پیشگوئی ہے کہ موجودہ حکومت کے ماڈرن دینی مدارس کے منصوبے کا انجام ان شاء اللہ دوسری حکومتوں سے مختلف نہیں ہوگا۔